قواعد التفسیر

امام ابن تیمیہؒ

رَبِّ یَسِّرْ وَاَعِنْ بِرَحْمَتِکَ ۔ بعض متعلم دوستوں کی خواہش ہے کہ قرآن کو سمجھنے سمجھانے کے لیے اصولی باتیں لکھ دوں جو قواعد کلیہ پر حاوی اور معانی کی معرفت میں معین ہوں ۔ کیوں کہ تفسیروں میں رطب و یابس سبھی طرح کی باتیں جمع ہیں ۔ صحیح و سقیم روایتیں اور خوب و زشت روایتیں، حق کے ساتھ باطل اس طرح گندھا ہوا ہے کہ امتیاز دشوار ہو جاتا ہے، پھر قرآن کو صحیح اور محفوظ طور پر سمجھنے کا طریقہ کیا ہے ؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ صحیح علم وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ طریقے پر ثابت ہو، پھر ایسے آثار و اقوال جن کی دلیل واضح ہو ۔ ان دو اصلوں کے سوا جو کچھ ہے، کھوٹا ہے، مغشوش ہے اور قطعاً ناقابل قبول ۔

قرآن کو سمجھنا امت کی اساسی ضرورت ہے ۔ وہ خدا کی مضبوط رسّی ہے، ذکر حکیم ہے، صراط مستقیم ہے ۔ خواہشیں اس کو مکدّر نہیں کر سکتیں، زبانیں اس کو بگاڑ نہیں سکتیں، دُہرائے جانے سے وہ فرسودہ نہیں ہوتا ۔ اس کے عجائب بے کراں ہیں ۔ علمائے حق ہمیشہ اس کے تشنہ رہے ہیں، علم و معرفت کے طلبگاروں نے اس سے نو بنو اکتشافات و انکشافات کی نعمتیں پائی ہیں ۔ جو کوئی اس کے منشاء و فحوا کے مطابق کہتا ہے، قابل قبول ہے ۔ جو کوئی اس کو اپنا دستور العمل بناتا ہے، اجر پاتا ہے ۔ جو کوئی اس کے مطابق حکومت کرتا ہے، عدل کرتا ہے ۔ جو کوئی اس کی طرف بلاتا ہے، ہدایت و سعادت کی طرف رہ نمائی کرتا ہے ۔ جو کوئی سرکشی سے اسے چھوڑ دیتا ہے، اپنے آپ کو ہلاکتوں میں ڈال دیتا ہے ۔ اور جو کوئی اس سے روگردانی کر کے رشد و ہدایت چاہتا ہے،

اپنے آپ کو گمراہیوں میں مبتلا کر لیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ۝ (طٰہٰ، آیت ۱۲۶)

پس اگر پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت، تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی نہ تو وہ بھٹکے گا اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کا جینا تنگی بے کلی کا جینا ہوگا۔ اور وہ اٹھایا جائے گا قیامت کے دن اندھا۔ کہے گا، پروردگار! کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا؟ دنیا میں تو میں آنکھوں والا تھا؟ ارشاد ہوگا: یونہی تو نے ہماری آیتوں کو، جب وہ تجھے پہنچیں بھلا دیا تھا تو اسی طرح ہم نے تجھ کو بھلا دیا۔

اور فرمایا:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔

(المائدہ: ۱۶)

بے شک آئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب بیان کر دینے والی، جس سے دکھاتا ہے اللہ رضائے حق کے طالبوں کو سلامتی کی راہیں، اور نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اپنے اذن سے، اور چلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔

اور فرمایا:

الٓرٰ ۚ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۙ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ اللَّهِ

یہ کتاب ہم نے اتاری ہے تیری طرف تاکہ برآمد کرے لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف ان کے پروردگار کے اذن سے، غالب ارجمند

الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ (ابراہیم: ۱)	سراپا حمد اللہ کے محفوظ رستے کی طرف، اسی کا ہے سب کچھ جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔

اور فرمایا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ۔ (الشوریٰ: ۵۲-۵۳)	اور اسی طرح بھیجی ہم نے تیری طرف ایک روح اپنے امر سے۔ نہیں جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن ہم نے بنا دیا اس کو نور۔ ہدایت کرتے ہیں ہم اس کے ذریعے جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بے شک تو البتہ ہدایت کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف، راہ اللہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ خبردار، اللہ ہی کی طرف ہے بازگشت تمام امور کی۔

اب میں توفیقِ الٰہی سے، جو کچھ اس بارے میں ذہن میں محفوظ ہے، سپردِ قلم کرتا ہوں، واللہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قرآن کے الفاظ اور معانی و مطالب ایک ساتھ تعلیم فرماتے، دلیل اس کی یہ آیت ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)	تاکہ پوری وضاحت سے بتا دے لوگوں کو جو کچھ نازل کیا گیا ہے ان کی طرف۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی (متوفی ۷۳ھ) کہتے ہیں: وہ اصحاب جنھوں نے ہمیں قرآن سکھایا: عثمان بن عفانؓ، (علی بن ابی طالب)، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہم کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم قرآن کی دس آیتیں سیکھتے اور جب تک ان سے متعلق تمام باتیں نہ جان لیتے، اور علم کے ساتھ عمل جمع نہ کر لیتے، آگے نہیں پڑھتے تھے۔ یوں ہم نے قرآن اور اس کا علم اور اس پر

عمل، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ساتھ سیکھا۔ اسی وجہ سے ان بزرگوں کو ایک ایک سورہ کو سیکھنے میں مدتیں لگ جاتی تھیں۔ امام احمدؒ اپنی مُسند میں اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہم میں سے کوئی سورۂ بقرہ اور آل عمران یاد کر لیتا تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں بزرگ بن جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ بقرہ کئی برس میں، بروایت امام مالکؒ آٹھ برس میں یاد کی تھی۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو قرآن کے حفظ و ضبط میں یہ اہتمام اس بنا پر تھا کہ ارشاد باری ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ۔ (ص: ۲۹)	یہ کتاب کہ ہم نے اتاری ہے تیری طرف برکت والی اس لیے کہ لوگ سوچ سمجھ کر اس کی آیتوں پر عمل پیرا ہوں
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (محمد: ۲۴)	کیا پھر نہیں سوچ سمجھ سے کام لیتے قرآن میں
اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ (مومنون: ۸۶)	کیا پھر نہیں سوچ وچار کیا انھوں نے اس کھری محکم بات میں۔

اور ظاہر ہے فہم و تدبر، معنی پر آگاہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (یوسف: ۲)	تحقیق ہم نے اتارا اس کو صاف سلیس واشگاف زبان میں، تاکہ تم سمجھ لو۔

اور عقل میں کوئی بات تبھی آسکتی ہے کہ جس موقع مقام کی بات ہو، خلوص اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کو عقل میں لانے، سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ہر کلام کا مقصد و منشا ہوتا ہے اور مقصدِ کلام پر آگاہی — الفاظ پڑھنے سے نہیں — مطلب و معنی کو سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگ طب، حساب یا کسی اور علم و فن کی کتاب پڑھتے ہیں تو ان کے مطالب اور ان کی شرح معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب انسانوں کی ساختہ پرداختہ کتابوں سے استفادہ کی یہ صورت ہے، تو اللہ کی کتاب کے مقصد و منشا سے آگاہی

معنی کا علم سیکھے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ کتاب جو برائیوں اور گمراہیوں سے ہمارے تحفظ کا ذریعہ ہے، وہ کتاب جو ہمیں صلاحِ دنیا اور فلاحِ آخرت کے آداب سکھاتی ہے، وہ کتاب جس پر ہمارے دین کا قیام ہے، وہ کتاب جس پر نجات و سعادت کا مدار ہے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں تفسیری اختلاف بہت کم ہے، نہ ہونے کے برابر۔ تابعین میں ظاہراً تفسیری اختلاف کچھ زیادہ ہے، لیکن وہ بھی بعد والوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ خیر القرون سے قرب جس قدر زیادہ ہے، اسی قدر کلامِ الٰہی کی تفسیر میں اختلاف زیادہ ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تین مرتبہ، اوّل سے آخر تک، قرآن پڑھ کے سنایا، ٹھہرنے کی ہر آیت پر ٹھہرا، سوال کیے اور مطلب سمجھا۔ اسی لیے امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں: جب تمھیں کسی آیت کی تفسیر، مجاہد سے مل جائے تو کسی اور تفسیر کی جستجو نہ کرو۔ اور اسی لیے امام شافعیؒ و امام بخاریؒ اور دوسرے اہلِ علم نے مجاہد سے مروی تفسیر پر اعتماد کیا ہے، اور امام احمدؒ وغیرہ صاحبِ تفسیر علماء اپنی تفسیروں میں زیادہ تر تفسیرِ مجاہد کی روایت لائے ہیں۔

غرض اس بیان کی یہ ہے کہ تابعین نے جس طرح سنتوں کا علم، اسی طرح قرآن کی تفسیر کا علم صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حاصل کیا۔ اور جس طرح بعض سنتوں میں استنباط و استدلال کی راہ سے گفتگو کی، اسی طرح بعض تفسیری مقامات میں بھی استنباط و استدلال کی راہ سے گفتگو کی۔

سلف میں، بمقابلۂ احکام، تفسیر میں اختلاف بہت کم ہے۔ تفسیر میں جو اختلاف صحیح طور پر ان سے مروی ہے وہ تعبیر و تنوع کا اختلاف ہے، تضاد کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ اختلاف دو قسم کا ہے:

ایک قسم یہ ہے کہ ایک مفسر نے بیانِ مطلب ایسے الفاظ میں کیا جو دوسرے مفسر کے

الفاظ سے مختلف ہیں اور مطلب کی کسی ایک جہت پر دلالت کرتے ہیں جس پر دوسرے مفسر کے الفاظ دلالت نہیں کرتے، مگر دونوں کی تعبیر کا اصل مرجع ایک ہے۔ اس قسم کے تعبیری اختلاف کی مثال ایسے اسماء کی ہے جن کا مسمّٰی ایک ہو اور مسمّٰی کی مختلف صفات کو ظاہر کرنے کے لیے نام جُدا جُدا رکھ دیئے جائیں۔ جیسے سیف، صارم، مُہَنّد ایک ہی مسمّٰی کے نام ہیں جو تلوار کی مختلف صفتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح اسمائے حُسنیٰ، اور اسمائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسمائے قرآن ہیں، کہ تمام اسماء کا مسمّٰی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے جس نام سے پکارو، پکار کا مرجع اسی کی ذاتِ مقدس ہوگی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ کہہ، پکارو اللہ کو، یا پکارو رحمٰن کو، جس نام سے اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔ (بنی اسرائیل ۱۱۰) بھی پکارو، اسی کے لیے ہیں سب نام بہت اچھے

کیوں کہ اس کے اسمائے حسنیٰ سے ہر اسم اس کی ذات اور اس کی کسی خاص صفت پر دلالت کرتا ہے، مثلاً علیم اس کی ذات اور اس کی صفت علم پر دلالت کرتا ہے۔ قدیر اس کی ذات اور اس کی صفتِ قدرت پر، رحیم اس کی ذات اور اس کی صفت رحمت پر۔

جو اصحاب ظواہر اس طرف گئے ہیں کہ اسمائے الٰہی، صفات الٰہی پر دلالت نہیں کرتے، وہ منطقی داؤ پیچ میں آکے باطنیہ اور قرامطہ کے ہم نوا ہو گئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ بغیر حیات کے زندہ ہے، اس کو حیّ نہ کہنا چاہیے اور نہ یہ کہنا چاہیے کہ حیّ نہیں ہے۔ وہ ذات باری سے نفی نقیضین کرتے ہیں اور گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔ اگرچہ باطنیہ اور قرامطہ اسمائے الٰہی کے منکر نہیں ہیں، ان کو مانتے ہیں، لیکن ضمیروں کی طرح ان کو محض علم قرار دیتے ہیں اور اُن صفات کے منکر ہیں جو ان اسماء سے ثابت ہوتی ہیں۔ اصحابِ ظواہر، ظاہر معنی سے ادعائے تمسک کے ساتھ جب وہی بات کہتے اور مانتے ہیں جو باطنیہ و قرامطہ کا مقالہ ہیں، تو اس باب میں انھی کے ہم مذہب ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ موقع اس مبحث کی تفصیل کا نہیں ہے۔

اصل مقصود یہاں یہ ہے کہ اسمائے الٰہی میں سے ہر اسم اس کی ذات اور اس صفت پر

جو اس سے سمجھی جاتی ہے، دلالت کرتا ہے اور بطریق لزوم دوسرے اسم کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے محمودہ ہیں: محمد، احمد، ماحی، حاشر، عاقب۔ اور اسی طرح اسمائے مصحف ہیں: قرآن، فرقان، الہدیٰ، الشفا، التبیان، الکتاب۔ اس نوع کی اور بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں۔ اگر پوچھنے والے کا مقصود یہ ہو کہ مسمّٰی متعین کر دیا جائے، تو جواب میں ہم ہر اسم کو استعمال کر سکتے ہیں، اگر پوچھنے والا اس اسم کے مسمّٰی سے واقف ہے۔

اسم کبھی عَلَم ہوتا ہے اور کبھی صفت۔ مثلاً اگر کوئی پوچھے: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ (طٰہٰ ۱۲۴) میں ذکر سے کیا مراد ہے؟ تو ہم جواب دیں گے: ذکر، قرآن ہے، جو کچھ اس میں اتارا گیا، اور ذکر اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں۔ کیوں کہ ذکر، مصدر ہے، اور مصدر کبھی فاعل کی طرف مضاف کیا جاتا ہے اور کبھی مفعول کی طرف۔ مفعول کی طرف مضاف مانا جائے تو ذکر سے مراد وہ لفظ ہوں گے جن کے ذریعے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے، جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اللہ فاعل کی طرف اضافت مانی جائے تو ذکر سے مراد، خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے ذکر ہوگا، اور یہ ذکر اللہ کی کتاب ہے، اور آیۂ مذکور میں یہی مراد ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے یہ آیت ہے: فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (طٰہٰ ۱۲۳) اور معلوم ہے کہ ہدایت وہی ہے جو ذکر میں اتاری گئی ہے، اس بنا پر کہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا (طٰہٰ ۱۲۵-۱۲۶)

پس اگر پوچھنے والے کا مقصود یہ جاننا ہے کہ ذکر الٰہی، اللہ کا اتارا ہوا ذکر ہے، یا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا ذکر؟ تو جواب یہ ہے کہ ارشاد باری ہے: میرا ذکر، میری کتاب، میری ہدایت ان سب کا مسمّٰی ایک ہے۔ اور اگر پوچھنے والے کا مقصود، اُس خاص صفت کو جاننا ہو جو اُس اسم کے ساتھ خاص ہے: مثلاً وہ جاننا ہے کہ القدوس، السلام، المومن سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے لیکن وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے القدوس، السلام، المومن ہونے کے کیا معنے ہیں، تو ہمیں تعیین مسمّٰی سے زیادہ، کچھ کہنا ہوگا۔ (باقی)